پروفیسر اختر راہی

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم

"ایک چراغ جلا لیکن قبل اس کے کہ اس کا اجالا پوری طرح پھیلے، بجھ گیا۔ ایک آفتاب چمکا لیکن پیشتر اس کے کہ اس کی شعاعیں پورا نور پھیلائیں، غروب ہوگیا۔ ایک پھول کھلا مگر معاً مرجھا گیا۔ سبزہ لہلہایا مگر فوراً خشک ہوکر زمین کے برابر ہوگیا۔ حق کی پکار بلند ہوئی لیکن معاً فضائے لامتناہی میں گم ہوگئی"[1]

یہ اس مضمون کا اوّلین پیراگراف ہے جو علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) کے تربیت یافتہ اور ندوۃ العلما کے مایۂ ناز فرزند مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کی رحلت پر اُن کے رفیق مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا تھا۔ مولانا نگرامی ۲۷ سال کی مختصر عمر میں فوت ہوئے تھے اور اپنے رفقا کے ایک وسیع حلقے کو روتا ہوا چھوڑ گئے۔

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ضلع لکھنؤ کی ایک معروف بستی نگرام کے رہنے والے تھے۔ وہاں کی صاحب علم انصاری برادری میں ۱۸۹۹ء (۱۳۱۶ھ) میں پیدا ہوئے۔ ابھی کم سن تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ ان کی پرورش ان کے شفیق چچا مولانا محفوظ الرحمٰن نے کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور ابتدائی درسیات پڑھ لیں۔ ندوۃ العلما کے تیسرے درجے میں داخل ہوئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آریہ سماج نے ناخواندہ اور معاشی طور پر پس ماندہ مسلمانوں میں شدھی (ارتداد) کا کام شروع کر دیا تھا۔ آریہ سماجی مبلّغ پورے جوش و خروش کے ساتھ کام کر رہے تھے اور ان کے پیدا کردہ الجھاؤں سے ناخواندہ مسلمان متاثر ہو رہے تھے۔ آریہ سماج کی ان سرگرمیوں نے مسلمان اہلِ نظر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور مختلف تبلیغی انجمنیں میدانِ عمل میں آگئیں۔

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) نے آخری زمانۂ حیات میں اپنے لیے جو منصوبۂ کار تجویز کیا تھا، اس میں "سیرۃ النبی" کی تصنیف کے ساتھ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی خاطر مبلّغین کی تیاری بھی شامل تھی۔ وہ مسلمانوں کی متفرق اور پراگندہ تبلیغی کوششوں کو بہ نظرِ استحسان دیکھنے کے باوجود چاہتے تھے

---

[1] عبدالماجد دریابادی — وفیات ماجدی، لکھنؤ (۱۹۷۸ء) — ص ۵۴، ۵۵

کہ مختلف انجمنوں اور تنظیموں کی مساعی کو یک جا کیا جائے۔ اس مقصد کی خاطر انھوں نے ۶، ۷، ۸ اپریل ۱۹۱۲ء کو لکھنؤ میں ایک اجلاس بلایا تھا۔ اگرچہ اس کوشش میں وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے تاہم انھوں نے "ندوۃ العلما" میں مبلغین تیار کرنے کے لیے "خدام الدین" کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ جو طلبہ اس جماعت میں شامل ہوتے تھے، ان کے سرپرستوں سے بطور خاص اجازت لی جاتی تھی۔ ان کی تربیت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ انھیں ایثار و قربانی، سادہ زندگی گزارنے، شعائرِ اسلام کی کامل پابندی اور راہِ تبلیغ میں پیش آمدہ مشکلات برداشت کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس مقصد میں جب علامہ شبلی کو کچھ کامیابی نظر آئی تو مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰ء) کو لکھا:

"میں نے خدا کا نام لے کر خدام الدین کی جماعت قائم کر دی۔ الگ مکان لے دیا ہے اور الگ تربیت ہے۔ قریباً ایک مہینہ ہوا، اب تک امید افزا آثار ہیں۔ احکامِ اسلام کی پابندی میں شغف اور مستعدی پائی جاتی ہے۔ ابھی تک سات لڑکے عہد و پیمان کے ساتھ خود اپنی مرضی سے داخل ہوئے ہیں۔ یہ دیہات وغیرہ میں اشاعتِ اسلام کے کام بھی آئیں گے۔"[۵۲]

ان سات خادمانِ دین طالب علموں میں سے ایک یہی مولانا عبدالرحمٰن نگرامی تھے۔ انھوں نے زمانۂ طالب علمی میں جس سادگی، دینی لگن اور بے نفسی کی ٹریننگ حاصل کی تھی، آخری دم تک اسے نباہا۔ جب ۱۹۲۲ء میں سوامی شردھانند نے تحریکِ شدھی میں زور پیدا کیا تو اسلامی محاذ پر جن مبلغوں کی تبلیغ و تحریر سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوتے تھے، ان میں سے ایک مولانا عبدالرحمٰن نگرامی تھے۔ علامہ شبلی کو ان کی تربیت کا خاص خیال تھا۔ زیادہ تر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انھوں نے تقریر کی اس قدر مشق بہم پہنچائی تھی کہ ان کی عمر اور چھوٹے سے قد کو دیکھ کر سننے والے حیران رہ جاتے تھے۔

۱۹۱۸ء میں مولانا عبدالرحمٰن دارالعلوم ندوۃ العلما سے فارغ التحصیل ہوئے اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ مدرسۃ الاصلاح اپنے رنگ کی بہترین درس گاہ ہے۔ طلبا کو سادہ ترین معاشرت کے ساتھ اعلیٰ ترین اخلاق سے آراستہ کیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ ان میں خدمتِ دین کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ مولانا حمید الدین فراہی مدرسے کے نگران تھے اور مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ان کے بہترین رفیق اور مددگار۔ وہ تقریباً چار سال مدرسۃ الاصلاح میں رہے۔

---

۵۲ شبلی نعمانی ـــ مکاتیبِ شبلی حصہ دوم اعظم گڑھ (۱۹۲۷ء) - ص ۳۶

تحریک عدمِ تعاون کے زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مقابلے میں مسجد ناخدا (زکریا سٹریٹ) میں مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسے کے لیے جن اصحابِ تدریس کو منتخب کیا گیا، ان میں مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۹۵۸ء) اور مولانا عبدالرحمٰن شامل تھے۔ یہ دونوں حضرات قومی اور ملّی امور میں متحد الخیال ہونے کے ساتھ باہم ایک روحانی رشتے میں بھی منسلک تھے۔ دونوں حضرات نے شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۹۲۰ء) کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی تھی۔

مولانا عبدالرحمٰن نے کلکتے کے چند سالہ قیام میں مسئلہ خلافت اور عدم تعاون کے موضوع پر سیکڑوں تقریریں کیں اور متعدد مضامین لکھے۔ مولانا آزاد کی سرپرستی میں ۲۳ ستمبر ۱۹۲۱ء کو ایک ہفت روزہ "پیغام" کے نام سے جاری ہوا تھا، اس کے صفحات پر بارہا انھوں نے ملّی اور دینی مسائل پر اظہارِ خیال کیا۔

مدرسہ اسلامیہ کلکتہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا، اور موصوف سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) کے مشورے پر ۱۹۲۳ء میں استادِ ادب و تفسیر کی حیثیت سے ندوۃ العلما تشریف لے گئے۔ اپنی ذہانت اور وسعتِ مطالعہ کے سبب نہایت مقبول استاد تھے۔ ان کے شاگرد نے اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"دُبلے پتلے چھوٹے سے قد میں بلا کی کشش تھی۔ گہری علمیت، بے مثال ذہانت، غیر معمولی وسعتِ نظر اور بلندیِ اخلاق کا عجیب و غریب مرقع تھے۔ مولانا شبلی کے فیضان اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تربیت نے انھیں علم و خطابت کی ایسی جامعیت بخشی تھی جو مشکل ہی سے کہیں اور نظر آتی ہے۔ نگاہ ایسی کیمیا تھی کہ جس پر پڑ گئی، کُندن بن گیا۔ اُن کی بدولت طلبا کی علمی اور ذہنی سطح بہت بلند ہو گئی تھی اور ان کے اندر غیر معمولی بیداری پیدا ہو گئی تھی۔"[۵۳]

مولانا ندوی کو علوم میں سب سے زیادہ دلچسپی "قرآنیات" سے تھی۔ قرآن مجید کا مطالعہ خاص شغف و انہماک سے کرتے تھے اور اس بات کی شعوری کوشش کرتے تھے کہ ان کے طلبا میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہو۔ اس مقصد کی خاطر وہ طلبا کو قرآنِ مجید کا شستہ اور شگفتہ اُردو ترجمہ پڑھنے پر زور

---

۵۳ عبدالسلام قدوائی ــــ مقالہ "تاثرات اور یادیں" مشمولہ "سید رئیس احمد جعفری ــ شخصیت اور فن" کراچی (۱۹۷۰ء)

دیتے تھے۔ اگرچہ منتہی طلبا کو بیضاوی اور کشاف کے مطالعے کی جگہ محض ترجمہ پڑھنا کچھ عجیب سا محسوس ہوتا تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے حکیمانہ طرزِ تدریس میں یہی ترجمہ قرآن مجید سے دلچسپی کی بنیاد بن جاتا تھا۔ "قرآنیات" کے علاوہ بھی دینی ذخیرۂ ادبیات پر ان کی گہری اور وسیع نظر تھی۔ علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) کی تحریروں سے بطور خاص دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے دینی و ملّی افکار بڑی جرأت اور حوصلہ مندی سے پیش کرتے تھے۔ برصغیر کے علما میں مولانا شبلی نعمانی کے شیدائی تھے۔ مولانا شبلی سے انھوں نے قرآن مجید پڑھا تھا اور ان کے مطالعۂ قرآن سے بطورِ خاص متاثر تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن عربی زبان و ادب پر تو عبور رکھتے ہی تھے، تبلیغی مقاصد کے لیے انھوں نے بقدرِ ضرورت انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔ حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے اخبارات اور رسائل کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے تھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلما میں انھیں وجع المفاصل کی شکایت پیدا ہوئی، جو کبھی ٹھیک ہو جاتی اور کبھی دوبارہ عود کر آتی تھی۔ وجع المفاصل کے ساتھ داہنے پاؤں میں سرطانی پھوڑا نکل آیا جس کا آپریشن کیا گیا۔ بظاہر آپریشن کامیاب رہا مگر دوسرے روز ۶ مارچ ۱۹۲۶ء – ۲۱ شعبان ۱۳۴۲ھ کو طبیعت بگڑ گئی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کی رحلت پر دینی اور علمی حلقوں میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ ان سے وابستہ امیدوں کا ذکر کر کر کے خون کے آنسو روئے گئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ندوہ کے اس "لعل شبِ چراغ" کے بارے میں لکھا:

"دارالعلوم ندوہ نے اپنی تیس برس کی مدت میں جتنے کارآمد اور علم دین کے خادم پیدا کیے۔ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ عبدالرحمٰن ان سب میں بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں علم و عمل کی ساری خوبیاں جمع کر دی تھیں"۔[۵۲]

سید غلام بھیک نیرنگ (م ۱۹۵۲ء) معتمد جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام نے لکھا:

"مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی ادیب دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ علم و فضل اور طہارت و تقویٰ کے علاوہ قوم و ملت کے مخلص خادم اور بے ریا خاموش کارکن تھے۔ ان کے محاسن کا شمار مشکل ہے۔ جس بات کا ذکر یہاں

---

[۵۲] سید سلیمان ندوی — یادِ رفتگاں، کراچی (۱۹۵۵ء) – ص ۶۲

خاص طور سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُن کو تبلیغ سے خاص دلچسپی اور فنِ تبلیغ میں خاص بصیرت حاصل تھی۔ وہ جمعیتِ ہٰذا اور اس کی جماعتِ منتظمہ کے رکن تھے۔"[۵۵]

مولانا عبدالرحمٰن نے قومی و ملی تحریکوں میں حصہ لینے کے ساتھ قلم و قرطاس سے بھی رشتہ قائم رکھا اور رسائل و جرائد میں لکھتے رہے۔ ہفت روزہ "سچ" میں انھوں نے کثرت کے ساتھ لکھا۔ ان کی نثر سادہ اور پُر تاثیر ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم مدیر "سچ" نے اُن کے حسنِ تحریر کے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے کہ "حسنِ ترتیب، حسن بیان، سلاست زبان، ذوقِ انشا کی شہادت ان کے قلم کی نکلی ہوئی ہر سطر دے رہی ہے۔"[۵۶]

مولانا مرحوم کے بیسیوں مضامین پیغام (کلکتہ)، سچ (لکھنؤ)، الندوہ (لکھنؤ) اور دوسرے رسائل میں دبے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ حسبِ ذیل تحریریں کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ ذکر مبارک (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
۲۔ عقائد اسلام — نوعمر طلبا کے لیے چھوٹے چھوٹے جملوں میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔
۳۔ خواتینِ اسلام
۴۔ لآلی الحکم — مجموعہ احادیث
۵۔ درسِ آزادی — سیاسی مضامین کا مجموعہ
۶۔ نور الحق (عربی) — تلخیص و ترجمہ "حق پرکاش" (ثناء اللہ امرتسری مرحوم)

مولانا مرحوم سے بیسیوں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ ان کے شاگردوں نے علمی دنیا میں نام پیدا کیا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ سید ریاست علی ندوی، رفیق دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
۲۔ شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم، نگران دار المصنفین و مدیر "معارف" (اعظم گڑھ)
۳۔ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم
۴۔ ابو علی اعظمی
۵۔ مولانا محمد حنیف ندوی، رفیق ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور
۶۔ مولانا امین احسن اصلاحی مصنف "تدبر قرآن"

---

۵۵ سید غلام بھیک نیرنگ — جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کی رپورٹ (یکم مارچ ۱۹۲۵ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۲۵ء) امرتسر (۱۹۲۶ء) — ص ۲۵، ۲۶

۵۶ عبدالماجد دریا بادی — وفیاتِ ماجدی لکھنؤ (۱۹۷۸ء)، ص ۲۶۲، ۲۶۳

انڈونیشیا

از شاہد حسین رزاقی

یہ کتاب جمہوریہ انڈونیشیا کا ایک مکمل خاکہ ہے جس کے مختلف ابواب میں تاریخی تسلسل کے ساتھ اس ملک کے حالات اور اہم واقعات قلم بند کیے گئے ہیں اور دینی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی تحریکوں، جنگِ آزادی اور قومی اتحاد و استحکام کی جدوجہد، نئے دور کے مسائل اور قومی تعمیر و ترقی کے امکانات جیسے تمام اہم پہلوؤں پر اس انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ انڈونیشیا کے ماضی و حال اور مستقبل کا نہایت واضح نقشہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن طبع ہوگیا ہے جس میں ۱۹۷۳ء تک کے حالات و واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔

صفحات ۴۶۴ قیمت -/۲۵ روپے

یادگارِ شبلی

از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

اس کتاب میں شبلی نعمانی کے مفصل حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف اور کارناموں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

شمس العلما علامہ شبلی نعمانیؒ کو ہمارے ادب اور تاریخ میں جو بلند مقام حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے احوالِ زندگی سید سلیمان ندوی مرحوم نے حیاتِ شبلی میں جمع کیے تھے۔ تصانیف کے متعلق وہ ایک علیحدہ کتاب لکھنا چاہتے تھے، لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ ڈاکٹر اکرام صاحب کی اس کتاب یادگارِ شبلی میں نہ صرف مکمل حیاتِ زندگی ہیں اور اس کے ساتھ وہ مواد بھی سمیٹ لیا گیا ہے جو سید سلیمان ندوی کی تصنیف حیاتِ شبلی کی اشاعت کے بعد دست یاب ہوا ہے، بلکہ علامہ شبلی کی ایک ایک کتاب پر علیحدہ تفصیلی تبصرہ بھی ہے۔

صفحات ۵۰۰ قیمت -/۳۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور